القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار

(قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا)

اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ایمان پر خاتمہ فرمائے اور عالم آخرت کی پہلی برزخی منزل کو ایک باغ بنادے کہ اس کی آخر منزل جنت ہے آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

اس اقتباس پر اس دعا کے ساتھ یہ مختصر تاثرات ختم کیے جاتے ہیں:

اللهم اغفرله وارحمه وادخله الجنة واعذه من النار

حوالہ جات

۱۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، مظہر بقا، کراچی بقا پبلیکیشنز طبع دوم ۱۹۸۶ء

۲۔ ایضاً ص ۱۲۲

۳۔ ایضاً ص ۲۰۰

۴۔ ایضاً ۱۲۴

۵۔ ایضاً ص ۱۲۲

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

کیا مہر کے بغیر نکاح ہو سکتا ہے؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ کیا یہ درست ہے؟ قرآن کریم میں مہر کے بارے میں کیا کہا گیا ہے۔ برائے کرم میری رہنمائی فرمائیں۔ (شفقت نواز، ملت ٹاؤن، کراچی)

الجواب: میرے بھائی! آپ کے سوال کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ نکاح کے لئے مہر کی ادائیگی بہت ضروری ہے۔ لیکن اسے انعقاد نکاح کے لئے شرط قرار نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے جو لوگ کہتے ہیں کہ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ وہ درست نہیں ہیں۔ (قرآنی دلیل ذرا آگے آتی ہے) جہانتک آپ کے سوال کے دوسرے جز کا تعلق ہے کہ قرآن کریم میں مہر کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟ تو اس کا جواب قدرے تفصیل سے پیش کیے دیتا ہوں۔ اس تفصیل میں آپ کے سوال کے پہلے جز کی بھی شرح ہو جائے گی۔

میرے محترم! جسے ہم اپنی زبان و اصطلاح میں مہر کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسکے لئے درج ذیل چار الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۱۔ مال ۲۔ صدقہ ۳۔ اجر ۴۔ فریضہ

واضح رہے کہ مہر کوئی متعین رقم نہیں۔ جسکے عوض عورت کو خریدا جاتا ہو۔ یہ محض ایک تحفہ ہوتا ہے جسے بہ رضا و رغبت دیا جاتا ہے۔ لیکن اسکا دینا ضروری ہے۔

اب آپ مہر کے تعین سے قرآنی الفاظ اور ان کے مقامات ملاحظہ فرمائیے:

سب سے پہلے مہر کے مفہوم کو جہاں لفظ "مال" سے ادا کیا گیا ہے۔ وہ دیکھئے واضح ہو کہ اس میں محرمات نکاح کے تفصیلی ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے۔

واحل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغو باموالكم ۔۔ (النساء ۲۴)

اور ان کے سوا (سب عورتیں) تمہارے لئے حلال ہیں (اس طرح) کہ تم اپنے اموال کے ساتھ (ان کو) نکاح میں لانا چاہو۔

اس مال دینے کو اصطلاح میں مہر کہتے ہیں۔ لفظ صدقہ بھی مہر کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد پاک ہے۔

وآتو النساء صدقتهن نحلة ۔(النساء/۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر بلا بدل ادا کرو۔

آیت میں لفظ نحلہ استعمال ہوا ہے۔امام راغب اصفہانی کے بقول النحلة عطیة علی السبیل التبرع۔نحلہ وہ عطیہ ہے جو تبرع کے طور پر ہو۔اور تفسیر بیضاوی میں ہے نحلة عطیة اذ الاعطاوایاہ من طیب نفس بلا توقع عوض۔نحلہ وہ عطیہ ہے جو بہ رضا ورغبت کسی معاوضہ کے لالچ کے بغیر دیا جائے۔

اب مہر کے لئے لفظ اجر کا استعمال ملاحظہ ہو۔

چونکہ مہر کی مستحق صرف آزاد عورتیں ہی نہیں ہوتیں بلکہ کنیزیں بھی ہوتی ہیں۔اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا۔

فانکحوا هن باذن اهلهن واتو هن اجورهن بالمعروف ۔(النساء/۲۵)

پس ان (کنیزوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر حسب دستور ادا کرو۔

مسلمان عورتوں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں کے لئے فرمایا گیا۔

اذا اتیتمو هن اجورهن۔(المائدة/۵)

جبکہ تم انہیں ان کے مہر ادا کرو۔

آنحضرت ﷺ کو بھی مہر کی ادائیگی کا پابند کیا گیا تھا۔یوں مہر کی ادائیگی حضور ﷺ کی سنت بھی ہے۔

یا ایها النبی انا احللنا لك ازواجك التی اتیت اجورهن ۔۔(الاحزاب/۵۰)

اے نبی! ہم نے تمہارے لئے تمہاری وہ بیویاں جائز کر دی ہیں جنھیں تم نے ان کے مہر دے دیے ہیں۔

دار الکفر سے دار الایمان میں آنے والی مہاجر مومن عورتوں کے لئے کہا گیا:

ولا جناح علیکم ان تنکحو اهن اذا اتیتموهن اجورهن ۔۔(الممتحنہ/۱۰)

اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے نکاح کرو، جب تم انہیں ان کے مہر دے دو۔

مہر کا ادا کرنا۔چونکہ حکم خداوندی کے تحت ہے۔اس لیے اس کے لئے فریضہ کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فریضة۔

(البقرة/۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں، اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو، جبکہ تم نے ابھی ان کو چھوا نہ ہو یا مہر مقرر نہ کیا ہو۔

کسی چیز پر عمل واجب یا لازم کر دینا فرض کہلاتا ہے۔جیسا کہ سورۂ نور میں آیا ہے۔

سورة انزلنها و فرضنها ۔(نور/۱)

اس مقام پر فرضنھا کے معنی ہیں۔ہم نے تم پر اس پر عمل کرنا واجب کر دیا ہے۔اور یہی معنی ان الذی فرض علیك القران ۔(القصص/۸۵) میں ہیں۔یعنی وہ ذات کہ جس نے قرآن پر عمل کرنا آپ پر واجب کر دیا ہے۔

چنانچہ یہ امر واضح ہوا کہ آیت میں فریضہ مہر کو اور تفرضوا کے مقرر کیے جانے کو کہا گیا ہے۔

میرے محترم! یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مہر چونکہ تحفہ ہے۔جو شوہر کی طرف سے بیوی کو دیا جاتا ہے۔یہ دراصل اس امر کا اظہار ہے کہ جس طرح آج وہ (یعنی شوہر) اپنی شریک حیات کو گفٹ آئیٹم یا گفٹ منی (یعنی مہر) دے رہا ہے۔آئندہ بھی دیتا رہے گا۔اسکی عنایات اور محبتوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری وساری رہے گا۔ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں مہر کی کوئی مقدار یا تعداد متعین نہیں کی جاسکتی۔مگر چونکہ اس کا ادا کرنا ضروری ہے اس لیئے اسے خاوند کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے اور یہ حیثیت "سونے کا ڈھیر" عطا کرنے کی بھی ہو سکتی ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدهن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیاء

(النساء/۲۰)

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی (سے نکاح) کرنا چاہو اور تم اسے سونے کا ڈھیر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ مہر دراصل وہی ہے جو قابل ادا ہو۔ایسا مہر باندھنا جو قابل ادا نہ ہو۔صریحاً قرآن مجید کے خلاف ہے۔بلاشبہ آیت میں "قنطار" کا لفظ آیا ہے جو ایک غیر محدود مقدار پر بولا جاتا ہے۔مگر "اتیتم" کے لفظ نے اسے قابل ادا ٹھہرا دیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کا مہر کروڑوں روپے باندھتا ہے تو اسے ایسا کرنے سے نہیں روکا جاسکتا۔بشرطیکہ وہ قابل ادا ہو۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔خیر النساء الیسرہ ۔(ابوداؤد کتاب النکاح) بہترین نکاح وہ ہے جو (بلحاظ مہر) سب سے زیادہ آسان ہو۔ایک حدیث کی رو سے اس عورت کو بہترین کہا گیا ہے جسکے مہر میں اسکے آدمی کو سہولت ہو۔(خیر النساء الیسر هن صداقا) اور ایک حدیث میں کہا گیا ہے۔اعظم النسا ء برکة الیسر من صداقا ۔سب سے بڑھ کر برکت والی عورت وہ ہے جسکے مہر میں سہولت ہو۔

پھر یہ بات بھی ہر مسلمان کے لئے قابل حفظ ہے کہ مہر کی ادائیگی نکاح کے ساتھ ہی ہو جانی چاہیے۔۔۔

لیکن۔۔۔مہر مقرر کئے بغیر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔اس ضمن میں قرآنی دلیل ملاحظہ ہو۔

لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضہ۔

(البقرہ/۲۳۶)

تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔اگر تم اپنی بیویوں کو طلاق دو، جبکہ تم نے ابھی ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو یا مہر مقرر نہ کیا ہو۔

واضح ہو کہ مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں مہر کی تعیین، مہر مثل سے کیجائیگی۔یعنی خاندان میں اس حیثیت کے دوسرے افراد کو دیکھا جائے گا کہ ان کا مہر کتنا باندھا گیا ہے۔پھر وہی مہر اس عورت کا مقرر کیا جائے گا۔میرے بھائی! یہ ہے آپ کے سوال میں پوچھے گئے پہلے جزو کے جواب پر مشتمل قرآنی دلیل، جو ہمارے سلسلہ بیان کے بیچ میں آ گئی ہے۔امید ہے کہ اسکو خصوصی توجہ سے ملاحظہ فرمائیں گے۔ویسے تو ہمارا پورا جواب ہی مہر کی قرآنی تفصیلات پر مشتمل ہے۔اور ہر تفصیل اس لائق ہے کہ اسے یاد رکھا جائے تاکہ عمل میں آسانی ہو۔

میرے بھائی! اس طرح یہ بات بھی ہر مسلمان کو معلوم ہونی چاہیے کہ اگر مہر نکاح کے وقت ادا نہ کیا گیا ہو تو میاں بیوی کی رضامندی سے بعد میں کم یا زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔جیسا کہ تعلیم ہوا۔

ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضہ۔(النساء/۲۴)

اور تم پر اس کے متعلق کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقرر ہ کے بعد تم آپس میں (اس کی کمی بیشی پر) رضامند ہو جاؤ۔

آیت میں جس رضامندی کا ذکر ہے۔وہ مہر کے کم یا زیادہ ہونے سے متعلق ہے۔جسے ہم نے ترجمہ میں نمایاں کر دیا ہے۔

نکاح کے بعد قبل از صحبت رخلوت، طلاق ہو جائے تو۔۔۔اگر مہر متعین نہیں ہوا تھا تو خاوند کو اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور دینا ہوگا۔

ومتعوھن علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ متاعاً بالمعروف (البقرہ/۲۳۶)

صاحب حیثیت اپنی وسعت کے مطابق اور تنگ دست اپنی توفیق کے مطابق، حسب دستور کچھ نہ کچھ سامان ضرور دے۔۔۔اگر مہر متعین تھا تو اس کا نصف ادا کرنا لازمی ہے۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضہ فنصف ما فرضتم الا ان یعفون او یعفو الذی بیدہ عقدۃ النکاح وان تعفوا اقرب

للتقوی۔(البقرہ/۲۳۷)

اور اگر تم ان کو طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم نے ان کو چھوا ہو۔اور تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس کا آدھا دے دو، جو مقرر کیا ہو۔مگر یہ کہ وہ (یعنی بیویاں) معاف کر دیں یا وہ شخص کہ جسکے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔(اپنا حق) معاف کر دے (اور اے مردو! اگر) تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ سے بہت نزدیک ہے۔

آیت کے مطابق، عورت اگر اپنا حق چھوڑنا چاہے تو اسے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنا پورا مہر چھوڑ دے۔تاہم پسندیدہ امر یہ ہے کہ مرد بجائے آدھے کے اسے پورا دے دے۔ورنہ آدھا مہر تو ہر حالت میں دیا جائے گا۔

میرے محترم! آپ کی ڈیمانڈ کے مطابق میں نے قرآن مجید سے رہنمائی فراہم کر دی ہے۔امید ہے کہ بقیہ مسائل واحکام میں بھی آپ اس حسن طلب کا مظاہرہ کریں گے۔میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اندر قرآن فہمی کے جذبے کو مزید پروان چڑھائے۔(آمین)

کیا کسی کو جبراً مسلمان بنایا جا سکتا ہے؟

سوال: کیا کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جا سکتا؟

اگر یہ موقف درست ہے تو پھر حضرت سلیمان کا ملکۂ سبا کو پیغام کہ ایمان لے آؤ ورنہ ہم لشکر لے آئیں گے۔ ذوالقرنین کا پیغام ایک قوم کو کہ ایمان قبول کر لو ورنہ سزا دینگے کیا ان پیغمبروں نے لوگوں کو جبراً مسلمان کیا؟ ف۔ جیم (کراچی)

جواب: میرے محترم! آپ نے جبراً مسلمان کرنے پر دو اہم قرآنی شخصیات کا جو حوالہ دیا ہے وہ دراصل نفس مسئلہ کی کماحقہ، تفہیم حاصل نہ ہونے کے باعث آپ کے مغالطے کا سبب بنا ہے۔آپ کا یہ کہنا کہ ''حضرت سلیمان کا ملکۂ سبا کو پیغام کہ ایمان لے آؤ، ورنہ ہم لشکر لے آئیں گے'' مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ مفہوم کہاں سے اخذ کیا ہے۔جہاں تک قرآن مجید فرقان حمید کا تعلق ہے۔وہاں اس طرح کی کوئی آیت موجود نہیں کہ جسے آپ کے مفہوم کا ماخذ قرار دیا جائے۔قرآن کے مطابق، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا۔

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ الا تعلوا علی واتونی مسلمین

(النمل ۳۰ـ۳۱)

یہ سلیمان کی طرف سے ہے جو اللہ رحمن رحیم کے نام سے ہے کہ تم لوگ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجاؤ۔

یہاں تعلوا کے معنی ہیں سرکشی اختیار کرنا اور مسلمین کے معنی ہیں مطیع و فرمانبردار ہو جانا۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا کا ارادہ حضرت سلیمان کے خلاف سرکشی اختیار کرنے کا تھا۔ جسکی آپ کو خبر ہو گئی تھی۔ یہیں سے ہمیں ملکۂ سبا کے جارحانہ عزائم کا پتہ چلتا ہے جبکہ حضرت سلیمان کا طریق، جوابی کاروائی (یعنی مدافعانہ) نظر آتا ہے۔ ایسا مدافعانہ کہ جسمیں آئندہ کی پیش بندی کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہو۔

میرا خیال ہے کہ لفظ "مسلمین" سے آپ کو دھوکا لگا ہے آپ نے مسلمین کا معنی مسلمان ہونے سے کر لیا ہے جبکہ وہ یہاں مطیع و منقاد کے معنی میں ہے۔ ملکۂ سبا کے قبول اسلام میں حضرت سلیمان کا جبر، کہیں نظر نہیں آتا۔ اسلیئے آپ کا خیال ہے کہ کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جا سکتا؟ جی ہاں! ہرگز، ہرگز نہیں۔ کیونکہ یہ قرآن کے یکسر خلاف ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکۂ سبا کے بھیجے گئے قاصد سے یہ فرمایا تھا کہ

ارجع اليهم فلنأتينهم بجنود لا قبل لهم بها ولنخرجنهم منها اذلة وهم صغرون۔
(النمل ۳۷)

(اے قاصد!) انکی طرف واپس چلا جا (اور انہیں بتا دے کہ) ہم ضرور ان پر ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے۔ جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہ ہو گی اور ضرور ہم اس شہر سے انہیں کمزور کر کے اس حال میں نکال دیں گے کہ وہ (ہمارے) محکوم ہوں گے۔

ملکۂ سبا اور ان کے حواریوں کی سرکشی کے ساتھ ساتھ تو اس فرمان عالیشان کا سبب یہ تھا کہ حضرت سلیمان کو باوثوق ذریعہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ انہیں اپنی عسکری طاقت اور جنگی قوت پر بھی بڑا غرور ہے۔ جیسا کہ اس سورۂ کی آیت نمبر ۳۳ میں ان کا یہ جملہ نقل ہوا ہے۔

قالوا نحن اولوا قوة واولوا باس شديد ۔الخ۔

وہ بولے کہ ہم بہت طاقتور اور سخت جنگجو ہیں۔

حضرت سلیمان کا قول دراصل ان کے اس غرور و تکبر کا جواب تھا کیونکہ حضرت سلیمان، صرف بادشاہ ہی نہیں بلکہ اللہ کے نبی بھی تھے۔ کفر و شرک کی حکومت اگر غیر جارح ہو تو اسے برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن اگر جارح ہو جائے تو اسکا جواب دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت سلیمان کا جواب اسی

پس منظر کا آئینہ دار تھا۔

میرے محترم! جہاں تک آپ کے سوال کے پہلے جزو کا تعلق ہے تو اس کا جواب کافی حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ مگر میں ذرا تفصیل میں جانا چاہتا ہوں تاکہ نفس مسئلہ پوری طرح آشکار ہو جائے۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام اور ملکۂ سبا کے ضمن میں لفظ مسلمین دو مرتبہ اور آیا ہے اگر میں ان مقامات کی وضاحت نہ کروں تو بہت ممکن ہے کہ آپ ایک مغالطہ سے نکل کر کسی دوسرے مغالطہ میں نہ پڑ جائیں۔

میرے بھائی! اس سورہ میں ذرا آگے چل کر فرمایا گیا ہے۔

قال يا ايها الملؤا ايكم يأتيني بعرشها قبل ان يأتوني مسلمين٥۔ (النمل ۳۸)

(سلیمان نے) فرمایا اے سردارو! تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے۔ قبل اس کے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں۔

یہاں پر بھی لفظ مسلمین اپنے لغوی معنی میں آیا ہے جیسا کہ قرآنی سیاق و سباق سے بخوبی ظاہر ہے۔ تھوڑا آگے چل کر یہ لفظ پھر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فلما جاءت قيل اهكذا عرشك قالت كانه هو، واوتينا العلم من قبلها وكنا مسلمين۔ (النمل ۴۲)

پس جب وہ آئی، اس سے پوچھا گیا تیرا تخت ایسا ہی ہے وہ کہنے لگی کہ گویا یہ وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے علم ہو گیا تھا۔ اور ہم تابعدار ہو گئے ہیں۔

اس آیت میں موجود "کنا مسلمین" کو دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ طرح اول میں اس کا معنی ہے کہ ہم نے بت پرستی چھوڑ کر توحید اختیار کر لی ہے۔ جبکہ طرح دوم میں یہ ہے کہ ہم نے سرکشی کو چھوڑ کر تابعداری کی راہ اختیار کر لی ہے۔ یہاں پر قرآنی سیاق، دوسرے معنی کا تقاضا کر رہا ہے۔ کیونکہ ملکۂ سبا کے اسلام لانے کا واقعہ آیت نمبر ۴۴ میں بایں الفاظ آیا ہے۔

قالت رب انى ظلمت نفسى واسلمت مع سليمان لله رب العلمين٥۔

(ملکۂ سبا نے) کہا میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں خود کو سلیمان علیہ السلام کی معیت میں اللہ رب العلمین کے حوالہ کرتی ہوں۔

بس یہی وہ مقام ہے جو ملکۂ سبا کے ایمان و اسلام کا مظہر ہے۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ ملکۂ سبا کسی جبر کے بغیر، اپنا اسلام ظاہر کرتی ہیں۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملکۂ سبا کے ایمان و اسلام کے پیچھے سلیمان کا جبر نہیں بلکہ ملکۂ سبا کے اپنے علم و عقل کی رہنمائی کارفرما ہے۔